U85266. 10-12-09

Title - DEEWAN GHALIB (1319-H).

Creator - Murattiba Agha Mohd. Tahir.

Publisher - Azad Book Dipo (Delhi).

Date - 1936.

Pages - 72

Subjects - Ghalib - Dawaween; Dawaween

- Ghalib.

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سخن آفرین را حمد وثنا کہ کلام بلاغت انضمام فصاحت التیام مبرا از حشو و معائب یعنی

دیوان غالب

۱۳۱۹ھ

باہتمام ابوالحسنات عبدہ قطب الدین احمد غفر اللہ الصمد بتاریخ پنجم ماہ مئی سنہ ۱۹۰۱ع

در مطبع نامی گرامی واقع لکھنؤ مطبوع گردید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غزلیات

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

کاو کاو سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں	آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا	میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا
عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں	کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا
دل نہیں تجھکو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار	اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا	قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب	تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا
بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل	جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد	کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا
ہے نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند	سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا	عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

[illegible]

بفیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا
ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا
جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ
مبارکباد اسد غمخوارِ جانِ دردمند آیا

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا
میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سرمنزلِ تقوی نہ ہوا

کہ موج بوئے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا
محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے
حباب موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا
نہ ہوگا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا

کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزاے پریشان کا
نظر مین ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگان کا
نہین معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہون اور افسوس حاصل کا
بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریاے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

محرم نہین ہے تو ہی نواہاے راز کا
یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

ہون ترے وعدہ نکرنے مین بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کش گلبانگ تسلی نہوا
کس سے محرومئ قسمت کی شکایت کیجیے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائین سو وہ بھی نہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب
ناتوانی سے حریف دم عیسیٰ نہوا

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضوان کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودون کے طاق نسیان کا
بیان کیا کیجیے بیداد کاوش ہاے مژگان کا
کہ ہر یک قطرۂ خون دانہ ہے تسبیح مرجان کا
نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالون کو
لیا دانتون مین جو تنکا ہوا ریشہ نیستان کا
دکھاؤن گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغان کا
کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا
مری تعمیر مین مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا
اگا ہے گھر مین ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے دربان کا
خموشی مین نہان خون گشتہ لاکھون آرزوئین ہین
چراغ مردہ ہون مین بے زبان گور غریبان کا
ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے
دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زندان کا
بغل مین غیر کی آج آپ سوتے ہین کہین ورنہ
سبب کیا خواب مین آکر تبسم ہاے پنہان کا

[illegible]

شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا

گرچہ ہون دیوانہ پر کیون دوست کا کھاؤن فریب
آستین مین دشنہ پنہان ہاتھ مین نشتر کھلا

گو نہ سمجھون اوسکی باتین گو نپاؤن اوسکا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھسے وہ پری پیکر کھلا

ہے خیال حسن مین حسن عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

منھ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہین
زلف سے بڑھکر نقاب اوس شوخ کے منھ پر کھلا

در پہ رہنے کو کہا اور کہکے کیسا پھر گیا
جتنے عرصہ مین مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

کیون اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤن کا نزول
آج اودھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا

کیا رہون غربت مین خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اوسکی امت مین ہون مین میرے رہین کیون کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

وان کرم کو عذر بارش تھا عنان گیر خرام
گریے سے یان پنبۂ بالش کف سیلاب تھا

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونیکا خیال
یان ہجوم اشک مین تار نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آبجو
یان رواں مژگان چشم تر سے خون ناب تھا

یک قدم وحشت سے درس دفتر امکاں کھلا
جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

مانع وحشت خرامیہائے لیلی کون ہے
خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بہ باد
یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آبدار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا اودھر اور آپ ہی حیراں ہونا

جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا

عشرت پارۂ دل زخم تمنا کھانا
لذت ریش جگر غرق نمکداں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیط بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

دوست غمخواری میں میری سعی فرماویں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرماویں گے کیا

حضرت ناصح گر آویں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاویں گے کیا

[illegible]

نفس موجِ محیطِ بیخودی ہے
تغافلہائے ساقی کا گلا کیا
دماغِ عطر پیراہن نہیں ہے
غمِ آوارگیہائے صبا کیا
دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا
سن اے غارتگرِ جنسِ وفا سن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ
شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا
یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں
یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیمکش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا
کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا
نوازشہائے بیجا دیکھتا ہوں
شکایتہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافلہائے تمکیں آزما کیا
فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
روبرو کوئی بتِ آئنہ سیما نہ ہوا
کم نہیں نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوباں
تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا

ہر بنِ مو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خوں ناب
حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا

نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بے وفائی کا
بمہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

زکاتِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر
رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستمہائے جدائی کا

مطلع

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی — بندگی مین مرا بھلا نہوا

جان دی دی ہوئی اوسیکی تھی — حق تو یون ہے کہ حق ادا نہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما — کام گر رک گیا روا نہوا

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے — لیکے دل دلستان روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہین
آج غالب غزل سرا نہوا

گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا — گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب — مگر ستمزدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزان ہے بہار اگر ہے یہی — دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا

غم فراق مین تکلیف سیر باغ ندو — مجھے دماغ نہین خندہ ہای بیجا کا

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہون — کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا

دل اوسکو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے — ہمین دماغ کہان حسن کے تقاضا کا

نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے — مری نگاہ مین ہے جمع و خرچ دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہون اوسکو یاد اسد — جفا مین اوسکی ہے انداز کارفرما کا

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالبؔ مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی
کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایاغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جسکو عشق خلل ہے دماغ کا

تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے
تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا

سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار
یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل
ابرِ بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا
رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنواں سمجھا

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرمِ خرام
رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
نبضِ خس سے تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ
دفعِ پیکانِ قضا اسقدر آساں سمجھا

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسدؔ
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

[illegible]

ہین لیے مجنون پہ لڑکپن مین اسد
سنگ اوٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی تھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلا
اوسمین کچھ شایبۂ خوبی تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دون
کبھی فتراک مین تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید مین ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہان کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا

بجلی اک کوند گئی آنکھون کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ مین لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اوسکو کہون اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو مین لائق تعزیر بھی تھا

دیکھکر غیر کو ہو کیون نہ کلیجا ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا وے طالب تاثیر بھی تھا

پیشہ مین عیب نہین رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوانمیر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اوس شوخ کے ترکش مین کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہین فرشتون کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہین استاد نہین ہو غالب
کہتے ہین اگلے زمانے مین کوئی میر بھی تھا

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لیکے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا
رشتۂ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو
دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے	اوسکی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا
عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لیے ہوے	ہوں شمع کشتہ درخور محفل نہیں رہا
مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں	شایان دست و بازوے قاتل نہیں رہا
بر روے شش جہت در آئینہ باز ہے	یان امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن	غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا
گو مین رہا رہین ستمہاے روزگار	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
دل سے ہواے کشت وفا مٹ گئی کہ وان	حاصل سواے حسرت حاصل نہیں رہا

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

رشک کہتا ہے کہ اوسکا غیر سے اخلاص حیف	عقل کہتی ہے کہ وہ بیمہر کسکا آشنا
ذرہ ذرہ ساغر میخانۂ نیرنگ ہے	گردش مجنون بچشمکہاے لیلا آشنا
شوق ہے سامان طراز نازش ارباب عجز	ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا
مین اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے	عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

شکوہ سنج رشک ہمدیگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا
کوہکن نقاش یک تمثال شیرین تھا اسد
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

ذکر اوس پریوش کا اور پھر بیان اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازدان اپنا
مے وہ کیون بہت پیتے بزم غیر مین یارب
آج ہی ہوا منظور اونکو امتحان اپنا
منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکان اپنا
دے وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی مین ٹالینگے
بارے آشنا نکلا اونکا پاسبان اپنا
درد دل لکھون کب تک جاؤن اونکو دکھلاؤن
انگلیان فگار اپنی خامہ خونچکان اپنا

[illegible]

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا
دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدے کا وا ہو جانا
اب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا
ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمین پانی کا ہوا ہو جانا
دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غمِ فرقت مین فنا ہو جانا
گر نہین نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس
کیون ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا
تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات مین سبز آئنے کا ہو جانا
بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ مین وا ہو جانا

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہون مین کہ ہے
پُر گل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا
جان در ہوائے یک نگہِ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

جور سے باز آئے پر باز آئین کیا
کہتے ہین ہم تجھکو منہ دکھلائین کیا
رات دن گردش مین ہین سات آسمان
ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا
لاگ ہو تو اسکو ہم سمجھین لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائین کیا
ہو لیے کیون نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائین کیا
موجِ خون سر سے گذر ہی کیون نہ جائے
آستانِ یار سے اوٹھ جائین کیا
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائین کیا
پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہین سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا
حریفِ جوششِ دریا نہین خودداریِ ساحل
جہان ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

باب الباء

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب
پوچھ مت وجہِ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک مین ہوتی ہے ہوا موجِ شراب
جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گذرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

تماشا سے ترنگ صورت سلامت
یقین گردِ گل اور اک معنی
بہار کی بہار کی سلامت سلامت
کے الزام ہم شمیم شہیدِ وفا ہوں
شکستہ عذار و نزہت سلامت
بلا کام سے عشق ہو شایہ شرب
بہ صراک و رزم تماشا سے حضرت سلامت
بہار کو بی تا قیامت سلامت

شد کیں ہو گئی ہو تو ہیں غالب
یاد کام سے یا لیں یہ اوس پیار کا وقت

آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست
دودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

جسقدر روح نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکین بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک مین خون ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

موجۂ گل سے چراغان ہے گزرگاہِ خیال
ہے تصور مین زبس جلوہ نما موجِ شراب

نشّہ کے پردے مین ہے محوِ تماشاے دماغ
بسکہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب

ایک عالم پہ ہین طوفانیِ کیفیتِ فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ مستی ہے زہے موسمِ گل
رہبرِ قطرہ بدریا ہے خوشا موجِ شراب

ہوش اوڑتے ہین مرے جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب

باب التاء

افسوس کہ دندان کا کیا رزق فلک نے
جن لوگون کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہون اسد سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیے	یا بیاں کیجیے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر میں غالب ز بس تکرارِ دوست

باب الجیم

گلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج	قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج
آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ	تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج
اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل	سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

لو ہم مریضِ عشق کے بیماردار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

باب الجیم فارسی

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ	اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ
کمالِ گرمیِ سعیِ تلاشِ دید نہ پوچھ	برنگِ خار مرے آئنہ سے جوہر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل	کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ
تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس	بکوریِ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ

باب الدال

حسنِ غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خوں ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد

[illegible]

درخورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا
نگہِ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد

ہے جنوں اہلِ جنوں کے لیے آغوشِ وداع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

باب الرا

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

چھوڑونگا مین نہ اوس بت کافر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو مین کام
چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

بہرا ہون مین تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر

غالب نہ کر حضور مین تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

کیون جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھکر
جلتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھکر

آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے
سرگرم نالہ ہاے شرربار دیکھکر

دیوان غالب

وفور اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مری دیوار و در در و دیوار

نہین ہے سایہ کہ سنکر نوید مقدم یار
گئے ہین چند قدم پیشتر در و دیوار

ہوئی ہے کسقدر ارزانی مے جلوہ
کہ مست ہے ترے کوچے مین ہر در و دیوار

جو ہے تجھے سر سوداے انتظار تو آ
کہ ہین دکان متاع نظر در و دیوار

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے
کہ گر پڑے نہ مرے پانون پر در و دیوار

وہ آرہا مرے ہمسایہ مین تو سایے سے
ہوے فدا در و دیوار پر در و دیوار

نظر مین کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار

نہ پوچھ بیخودی عیش مقدم سیلاب
کہ ناچتے ہین پڑے سربسر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہین زمانے مین
حریف راز محبت مگر در و دیوار

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر
جانیگا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقت سخن
جانون کسیکے دل کی مین کیونکر کہے بغیر

کام اوس سے آپڑا ہے کہ جسکا جہان مین
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

جی مین ہی کچھ نہین ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جاے یا رہے نہ رہین پر کہے بغیر

[illegible]

[illegible]

کیا بدگمان ہے مجھ سے کہ آئینہ مین مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھکر

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشان پر
مین ہون وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیابان پر

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یان بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زندان پر

فنا تعلیم درس بیخودی ہون اوس زمانے سے
کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر

فراغت کسقدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہاے دل نمکدان پر

نہین اقلیم الفت مین کوئی طومار ناز ایسا
کہ پشت چشم سے جسکی نہووے مہر عنوان پر

مجھے اب دیکھکر ابر شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت مین تری آتش برستی تھی گلستان پر

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیدان پر

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اوسنے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبان پر

ہے بسکہ ہر اک انکے اشارے مین نشان اور
کرتے ہین محبت تو گزرتا ہے گمان اور

[illegible]

لیتا نہ اگر دل تمھین دیتا کوئی دم چین
کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور

پاتے نہین جب راہ تو چڑھ جاتے ہین نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے روان اور

ہین اور بھی دنیا مین سخنور بہت اچھے
کہتے ہین کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر
برنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی

گریبان چاک کا حق ہوگیا ہے میری گردن پر
جنون کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی

نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر
تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

باب الرا

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ستمکش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلف برطرف مل جائیگا تجھسا رقیب آخر

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہ شب چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر
ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

ہے ناز مفلساں زر از دست رفتہ پر
ہوں گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز

میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہے بت بیداد فن ہنوز

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

ردیف الزا

[illegible]

[illegible]

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے	ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

نو گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز	میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تو اور آرائش خم کاکل	میں اور اندیشہاے دور دراز
لاف تمکین فریب سادہ دلی	ہم ہیں اور رازہاے سینہ گداز
ہوں گرفتار الفت صیاد	ورنہ باقی ہے طاقت پرواز
وہ بھی دن ہو کہ اوس ستمگر سے	ناز کھینچوں بجاے حسرت ناز
نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خون	جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز
اے ترا غمزہ یک قلم انگیز	اے ترا ظلم سر بسر انداز
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو	ریزش سجدۂ جبین نیاز
مجھکو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا	میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا
اے دریغا وہ رند شاہد باز

گرچہ ہے صرف بابیاسے شعلہ قصہ تمام	بطرز اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع
غم اسکو حسرت پروانہ کا ہے اے شعلہ	ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے	بجلوہ ریزی باد و بہ پرفشانی شمع
نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ	شگفتگی ہے شہید گل خزانی شمع

جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر مجھکو
نکیوں ہو دل پہ مرے داغ بدگمانی شمع

باب الفاء

بیم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش	مجبور یان تلک ہوئے اے اختیار حیف
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے	اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

باب کاف تازی

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نمک	کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل	ورنہ ہوتا ہے جہان میں کس قدر پیدا نمک
مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہوجیو	نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک
شور جولان تھا کنار بحر پر کسکا کہ آج	گرد ساحل ہے بزخم موجۂ دریا نمک

باب کاف فارسی

باب اللام

ہے کسقدر ہلاک فریب وفائے گل
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

آزادیِ نسیم مبارک کہ ہر طرف
ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دام ہوائے گل

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گل

خوشحال اوس حریفِ سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپائے گل

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کے
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آجتک
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

غالب مجھے ہے اوس سے ہم آغوشی آرزو
جسکا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

باب المیم

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بتخانہ ہم

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیِ بوتراب میں

باب النون

[illegible]

ہوں وام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
شورِ سودائے خط و خال کہاں

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں

ایسا آسان نہیں لہو رونا
دل میں طاقت جگر میں حال کہاں

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق
واں جو جاویں گرہ میں مال کہاں

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن مین نہین
رنگ ہو کر اوڑ گیا جو خون کہ دامن مین نہین

ہو گئے ہین جمع اجزاے نگاہ آفتاب
ذرے اوسکے گھر کی دیوارون کے روزن مین نہین

کیا کہون تاریکی زندان غم اندھیر ہے
پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن مین نہین

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویران ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن مین نہین

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین

بسکہ ہین ہم اک بہار ناز کے مارے ہوے
جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن مین نہین

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا
خون بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن مین نہین

فکر دنیا مین سر کھپاتا ہون	مین کہان اور یہ وبال کہان

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر مین اعتدال کہان

کی وفا ہمسے تو غیر اسکو جفا کہتے ہین	ہوتی آئی ہے کہ اچھون کو برا کہتے ہین
آج ہم اپنی پریشانی خاطر اونسے	کہنے جاتے تو ہین پر دیکھیے کیا کہتے ہین
اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نکہو	جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہین
دل مین آجائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے	اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہین
ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود	قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین
پاے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے	خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہین
اک شرر دل مین ہے اوس سے کوئی گھبراویگا کیا	آگ مطلوب ہے ہمکو جو ہوا کہتے ہین
دیکھیے لاتی ہے اوس شوخ کی نخوت کیا رنگ	اوسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہوین شاید
مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہین

آبرو کیا خاک اوس گل کی کہ گلشن مین نہین	ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن مین نہین

[illegible]

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا
پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز
نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

بوسہ اگر نہ دیجیے دشنام ہی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

ہر چند جاں گدازیٔ قہر و عتاب ہے
ہر چند پشتِ گرمیٔ تاب و تواں نہیں

بنا کر فقیرون کا ہم بھیس غالب
تماشاے اہل کرم دیکھتے ہین
کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہین
سراغ تف نالہ لے داغ دل سے
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہین
تماشا کر اے محو آئینہ داری
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین
ترے سرو قامت سے اک قد آدم

ملتی ہے خوے یار سے نار التہاب مین
کافر ہون گر نہ ملتی ہو راحت عذاب مین
کب سے ہون کیا بتاؤن جہان خراب مین
شبہاے ہجر کو بھی رکھون گر حساب مین
تا پھر نہ انتظار مین نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب مین

مطلع

مت مردمک دیدہ مین سمجھو یہ نگاہین
ہین جمع سویداے دل چشم مین آہین

برشگال گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن
الفت گل سے غلط ہے دعوی وارستگی
سرو ہے با وصف آزادی گرفتار چمن

عشق تاثیر سے نومید نہین
جان سپاری شجر بید نہین
سلطنت دست بدست آئی ہے
جام مے خاتم جمشید نہین
ہے تجلی تری سامان وجود
ذرہ بے پرتو خورشید نہین
راز معشوق نہ رسوا ہو جاے
ورنہ مر جانے مین کچھ بھید نہین
گردش رنگ طرب سے ڈر ہے
غم محرومی جاوید نہین

کہتے ہین جیتے ہین امید پہ لوگ
ہمکو جینے کی بھی امید نہین

جہان تیرا نقش قدم دیکھتے ہین
خیابان خیابان ارم دیکھتے ہین
دل آشفتگان خال کنج دہن کے
سویدا مین سیر عدم دیکھتے ہین

دیوان غالب

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھون
مین جانتا ہون جو وہ لکھینگے جواب مین
مجھ تک کب انکی بزم مین آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب مین
جو منکر وفا ہو فریب اس پہ کیا چلے
کیون بدگمان ہون دوست سے دشمن کے باب مین
مین مضطرب ہون وصل مین خوف رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب مین
مین اور حظ وصل خدا ساز بات ہے
جان نذر دینی بھول گیا اضطراب مین
ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب مین
لاکھون لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھون بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے | جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں
وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے | جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں | یہ سوء ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند | گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں
جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع | گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں
رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے | نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
اوتنا ہی مجکو اپنی حقیقت سے بعد ہے | جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے | حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں
ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر | یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں
شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی | ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز | پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں
ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود | ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہمکو تقلید تنک ظرفیٔ منصور نہیں

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
عشق پر عربدہ کی گون تن رنجور نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

صاف دُردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ
وای وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

عشق و مزدوریٔ عشرتگہ خسرو کیا خوب
ہمکو تسلیم نکونامیٔ فرہاد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیٔ استاد نہیں

وای محرومیٔ تسلیم و بدا حال وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں

رنگ تمکین گل و لالہ پریشان کیوں ہے
گر چراغان سر رہگذر باد نہیں

سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچین
مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہے جائے دہن اسکو دم ایجاد نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تمکو بے مہریٔ یاران وطن یاد نہیں

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اسکو گمان ہم بے زبانوں پر نہیں

غزل

[illegible]

[illegible]

ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہین

نہین کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہین
شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہین

کوئی کہے کہ شبِ مہ مین کیا برائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہین

جو آؤن سامنے اونکے تو مرحبا نہ کہین
جو جاؤن وان سے کہین کو تو خیرباد نہین

کبھی جو یاد بھی آتا ہون مین تو کہتے ہین
کہ آج بزم مین کچھ فتنہ و فساد نہین

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہین

جہان مین ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام
دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہین

تم اونکے وعدے کا ذکر اونسے کیون کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہین کہ یاد نہین

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہین
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین

آہ کا کسنے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہین

تیری فرصت کے مقابل اے عمر
برق کو پابہ حنا باندھتے ہین

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سروپا باندھتے ہین

نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہین

[illegible]

کیون گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہون پیالہ و ساغر نہین ہون مین

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہان پہ حرفِ مکرر نہین ہون مین

حد چاہیے سزا مین عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

کس واسطے عزیز نہین جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہین ہون مین

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھون سے کیون دریغ
رتبے مین مہر و ماہ سے کمتر نہین ہون مین

کرتے ہو مجھکو منعِ قدمبوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہین ہون مین

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہو گئین
خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہو گئین

یاد تھین ہمکو بھی رنگارنگ بزم آرائیان
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیان ہو گئین

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہین
یعنی ہمارے جیب مین اک تار بھی نہین

دلکو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم مین طاقت دیدار بھی نہین

ملنا ترا اگر نہین آسان تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہین

بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہے اور یان
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہین

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

گنجائش عداوت اغیار یکطرف
یان دل مین ضعف سے ہوس یار بھی نہین

ڈر نالہاے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نواے مرغ گرفتار بھی نہین

تھین بنات النعش گردون دنکو پردے مین نہان
شبکو انکے جی مین کیا آئی کہ عریان ہوگئین

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھین روزن دیوار زندان ہوگئین

سب رقیبون سے ہون ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعان ہوگئین

جوے خون آنکھون سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
مین یہ سمجھونگا کہ شمعین دو فروزان ہوگئین

ان پریزادون سے لینگے خلد مین ہم انتقام
قدرت حق سے یہی حورین اگر وان ہوگئین

نیند اوسکی ہے دماغ اوسکا ہے راتین اوسکی ہین
تیری زلفین جسکے بازو پر پریشان ہوگئین

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھلگیا
بلبلین سنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئین

وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دلکے پار
جو مری کوتاہی قسمت سے مژگان ہوگئین

بسکہ روکا مین نے اور سینے مین ابھرین پے بپے
میری آہین بخیہ چاک گریبان ہوگئین

وان گیا بھی مین تو اونکی گالیون کا کیا جواب
یاد تھین جتنی دعائین صرف دربان ہوگئین

جانفزا ہے بادہ جسکے ہاتھ مین جام آگیا
سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگ جان ہوگئین

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتین جب مٹگئین اجزاے ایمان ہوگئین

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹجاتا ہے رنج
مشکلین مجھپر پڑین اتنی کہ آسان ہوگئین

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان
دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہوگئین

ردیف النون

[illegible]

نکوہش مانع بے ربطیِ شورِ جنون آئی	ہوا ہی خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین
ہوی اوس مہر وش کے جلوۂ تمثال کے آگے	پر افشان جوہر آئینہ مین مثل ذرہ روزن مین
نجانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے	جو گل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین
ہزارون دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھکو	سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن مین

اسد زندانیِ تاثیرِ الفتہاے خوبان ہون
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن مین

مزی جہان کے اپنی نظر مین خاک نہین	سوائے خونِ جگر سو جگر مین خاک نہین
مگر غبار ہوے پر ہوا اوڑا لیجاے	وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین
یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے	کہ غیر جلوۂ گل رہگذر مین خاک نہین
بھلا اوسے نسہی کچھ مجھی کو رحم آتا	اثر مرے نفسِ بے اثر مین خاک نہین
خیال جلوۂ گل سے خراب ہین میکش	شرابخانہ کی دیوار و در مین خاک نہین
ہوا ہون عشق کی غارتگری سے شرمندہ	سواے حسرتِ تعمیر گھر مین خاک نہین

ہمارے شعر ہین اب صرف دل لگی کے اسد
کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر مین خاک نہین

وارستہ اس سے ہین کہ محبت ہی کیون نہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیون نہو

چھوڑا نہ مجھمین ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیون نہو

ہے مجھکو تجھسے تذکرۂ غیر کا گلا
ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیون نہو

پیدا ہوئی ہے کہتے ہین ہر درد کی دوا
یون ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیون نہو

ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
اپنے سے کھینچتا ہون خجالت ہی کیون نہو

ہے آدمی بجاے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہین خلوت ہی کیون نہو

ہنگامۂ زبونی ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیون نہو

دیوان غالب

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہین
اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیون نہو

مٹتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کوئی
عمر عزیز صرف عبادت ہی کیون نہو

اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہین اسد
اس مین ہمارے سر پہ قیامت ہی کیون نہو

مین نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سنکے ستم ظریف نے مجھکو اٹھا دیا کہ یون

مجھسے کہا جو یار نے جاتے ہین ہوش کس طرح
دیکھکے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یون

کب مجھے کوے یار مین رہنے کی وضع یاد تھی
آئنہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یون

گر ترے دل مین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال
موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب ایکبار پڑھکے اوسے سنا کہ یون

باب الواو

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو
کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

بقدر حسرت دل چاہیے ذوق معاصی بھی
بھرون یک گوشۂ دامن گر آب ہفت دریا ہو

اگر وہ سرو قد گرم خرام ناز آجاوے
کف ہر خاک گلشن شکل قمری نالہ فرسا ہو

کعبہ مین جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہین
بھولا ہون حق صحبت اہل کنشت کو

طاعت مین تا رہے نہ مے و انگبین کی لاگ
دوزخ مین ڈالدو کوئی لیکر بہشت کو

ہون منحرف نہ کیون رہ و رسم ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہین مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کہاے کشت کو

قفس مین ہون [illegible]

[illegible]

ہے جوش گل بہار مین یان تک کہ ہر طرف
اڑتے ہوئے الجھتے ہین مرغ چمن کے پاؤن

شب کو کسی کے خواب مین آیا نہ ہو کہین
دکھتے ہین آج اس بت نازک بدن کے پاؤن

غالب مرے کلام مین کیونکر مزا نہ ہو
پیتا ہون دھو کے خسرو شیرین سخن کے پاؤن

واں اس کو ہول دل ہے تو یاں مین ہون شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہین ذوق ستم تو دیکھ
آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو
صد رہ آہنگ زمین بوس قدم ہے ہم کو

دل کو مین اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہین
نہین دیکھا شناور جوے خون مین تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پاؤن کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کان مین جنبش جوہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہون کہ ڈھونڈھے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بتخانے مین تو کعبہ مین گاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت مین جو دی تھی یہ خو مجھکو
جہان تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یون بیخبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہون رہزن کو

سخن کیا کہہ نہین سکتے کہ جویا ہون جواہر کے
جگر کیا ہم نہین رکھتے کہ کھودین جا کے معدن کو

مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہین غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

دھوتا ہون جب مین پینے کو اس سیم تن کے پاؤن
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤن

دی سادگی سے جان پڑون کوہکن کے پاؤن
ہیہات کیون نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤن

بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہین راہزن کے پاؤن

مرہم کی جستجو مین پھرا ہون جو دور دور
تن سے سوا فگار ہین اس خستہ تن کے پاؤن

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہین خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤن

ضعف سے نقش پئے مور ہے طوق گردن
ترے کوچے سے کہان طاقت رم ہے ہم کو

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

رشک ہم طرحی و درد اثر بانگ حزین
نالۂ مرغ سحر تیغ دو دم ہے ہم کو

سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

دل کے خون کرنے کی کیا وجہ و لیکن ناچار
پاس بے رونقی دیدہ اہم ہے ہم کو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغان کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا باعث نہین کھلتا یعنی
ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطع سلسلۂ شوق نہین ہے یہ شہر | عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہمکو

لیے جاتی ہے کہین ایک توقع غالب
جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہمکو

تم جانو تمکو غیر سے جو رسم و راہ ہو | مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
بچتے نہین مواخذۂ روز حشر سے | قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی بیگنہ کش و حق ناسپاس ہین | مانا کہ تم بشر نہین خورشید و ماہ ہو
ابھرا ہوا نقاب مین ہے اونکے ایک تار | مرتا ہون مین کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید | مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
سنتے ہین جو بہشت کی تعریف سب درست | لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہو تو کچھ ایسا ضرر نہین
دنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو | کہے سے کچھ نہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
ہمارے ذہن مین اس فکر کا ہے نام وصال | کہ گر نہو تو کہان جائین ہو تو کیونکر ہو
ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے | حیا ہے اور یہی گومگو تو کیونکر ہو

تمہین کہو کہ گذارا صنم پرستون کا
بتون کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو
اولجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر مین ہون ایک دو تو کیونکر ہو
جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو
ہمین پھر اون سے امید اور اونہین ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھین نہ وہ تو کیونکر ہو
غلط تھا ہمین خط پہ گمان تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو
بتاؤ اوس مژہ کو دیکھکر کہ مجھکو قرار
یہ نیش ہو رگ جان مین فرو تو کیونکر ہو
مجھے جنون نہین غالب ولے بقول حضور
فراق یار مین تسکین ہو تو کیونکر ہو

ردیف ی

[illegible]

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے	ہوئے تم دوست جسکے دشمن اوسکا آسمان کیوں ہو
یہی ہے آزمانا تو ستانا کسکو کہتے ہین	عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو
کہا تمنے کہ کیون ہو غیر کے ملنے مین رسوائی	بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہان کیون ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنون سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھپر مہربان کیون ہو

رہیے اب ایسی جگہ چلکر جہان کوئی نہو	ہم سخن کوئی نہو اور ہمزبان کوئی نہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے	کوئی ہمسایہ نہو اور پاسبان کوئی نہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو بیماردار	اور اگر مر جائیے تو نوحہ خوان کوئی نہو

باب الہاء

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئنہ	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئنہ
ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ	جسکی بہار یہ ہو پھر اوسکی خزان نپوچھ
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اوٹھائیے	دشواری رہ و ستم ہمرہان نپوچھ

باب الیاء

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگان اوٹھائیے	طاقت کہان کہ دید کا احسان اوٹھائیے

خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

مئے عشرت کی خواہش ساقیِ گردوں سے کیا کیجے
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

ہے دورِ قدح وجہِ پریشانیِ صہبا
یکبار لگا دو خُمِ مے میرے لبوں سے

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد
زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

غالب ترا احوال سنا دیں گے ہم ان کو
وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

کیا خوب تمنے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں
فرمانروائے کشور ہندوستان ہے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

ہے بارے اعتماد وفاداری اسقدر
غالب ہم اسمیں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

درد سے میرے ہے تجکو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
تونے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

کیوں مری غمخوارگی کا تجکو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

عمر بھر کا تونے پیمان وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھسے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

گلفشانیہائے ناز جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھپر پردہ داری ہائے ہائے

خاک میں ناموس پیمان محبت ملگئی
اوٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم یاری ہائے ہائے

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری ہائے ہائے

کس طرح کاٹے کوئی شبہائے تار برشکال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

گوش مہجور پیام و چشم محروم جمال
ایک دل تسپر یہ ناامیدواری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوق خواری ہائے ہائے

لیتا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

کیجے بیاں سرور تپ غم کہاں تلک
ہر مو مرے بدن پہ زبان سپاس ہے

ہے وہ غرور حسن سے بیگانۂ وفا
ہرچند اسکے پاس دل حق شناس ہے

پی جسقدر ملے شب مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

[illegible]

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

کسکو سناؤں حسرت اظہار کا گلہ
دل فرد جمع و خرچ زبانہائے لال ہے

کس پردہ میں ہے آئینہ پرداز اے خدا
رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان
ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے

[illegible]

دشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا	دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو	حذر کرو مرے دل سے کہ اسمیں آگ دبی ہے

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا	ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے
جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں	ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے
آگ سے پانی میں بجھتے وقت اوٹھتی ہے صدا	ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے
ہو وہی بدمستیِ ہر ذرہ کا خود عذر خواہ	جسکے جلوے سے زمین تا آسمان سرشار ہے
مجھسے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی	زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے
آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا	تجھپہ کھلجاوے کہ اسکو حسرتِ دیدار ہے
پینس میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے	کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے
مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے	جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

[illegible]

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

ردیف الیاء

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں	نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی
کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف	آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے	بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے	صبحِ وطن ہے خندۂ دندان نما مجھے
ڈھونڈھے ہے اوس مغنیِ آتش نفس کو جی	جسکی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے
مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال	تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے
کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں	آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب	ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے
اوس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے	بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے
دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا	میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیے

[illegible]

اوگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

سادگی پر اوسکی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اوسنے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

دیوان غالب

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھسے بہتر ہے کہ اوس محفل میں ہے

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیگی
یہ جو اک لذت ہماری سعی بیحاصل میں ہے

رنج رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے
اوٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شور قیامت کسکی آب و گل میں ہے

ہے دل شوریدۂ غالب طلسم پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

[illegible]

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اوسے دیکھوں بھلا کب مجھسے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اوسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اوسکی بزم آرائیاں سنکر دل رنجور یاں
مثل نقش مدعاے غیر بیٹھا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پریرخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اوڑتا جائے ہے

نقش کو اوسکے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جسقدر اوتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھسے مثل دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی برد لیالی نے مجھے

نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھسے مری ہمت عالی نے مجھے

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم
کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلین مجھپر پڑین اتنی کہ آسان ہو گئین
یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان
دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہو گئین

جان فزا ہے بادہ جسکے ہاتھ مین جام آ گیا
سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگ جان ہو گئین
ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتین جب مٹ گئین اجزائے ایمان ہو گئین

ایضاً

کوئی امید بر نہین آتی
کوئی صورت نظر نہین آتی
موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیون رات بھر نہین آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہین آتی
جانتا ہون ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہین آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون
ورنہ کیا بات کر نہین آتی
کیون نہ چیخون کہ یاد کرتے ہین
میری آواز گر نہین آتی
داغ دل گر نظر نہین آتا
بو بھی اے چارہ گر نہین آتی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیان کہان	اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار مین	بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی
دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا	موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی
ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی	اب آبروے شیوۂ اہل نظر گئی
نظارہ نے بھی کام کیا وان نقاب کا	مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا	کل تم گئے کہ ہمپہ قیامت گزر گئی

مارا زمانہ نے اسد اللہ خان تمہین
وہ ولولے کہان وہ جوانی کدھر گئی

تسکین کو ہم نہ روئین جو ذوق نظر ملے	حوران خلد مین تری صورت اگر ملے
اپنی گلی مین مجھکو نہ کر دفن بعد قتل	میرے پتے سے خلق کو کیون تیرا گھر ملے
ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم	ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جسقدر ملے
تجھسے تو کچھ کلام نہین لیکن اے ندیم	میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے
تمکو بھی ہم دکھائین کہ مجنون نے کیا کیا	فرصت کشاکش غم پنہان سے گر ملے
لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین	جانا کہ اک بزرگ ہمین ہمسفر ملے

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی	کچھ ہماری خبر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی	موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے	آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار	یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں	کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود	پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں	غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکن زلف عنبریں کیوں ہے	نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں	ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید	جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا	اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہوں	میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی	وہی صد گونہ اشکباری ہے
دل ہوائے خرام ناز سے پھر	محشرستان بیقراری ہے
جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے	روز بازار جان سپاری ہے
پھر اوسی بیوفا پہ مرتے ہین	پھر وہی زندگی ہماری ہے

قطعہ

پھر کھلا ہے در عدالت ناز	گرم بازار فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان مین اندھیر	زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارہ جگر نے سوال	ایک فریاد و آہ و زاری ہے
پھر ہوئے ہین گواہ عشق طلب	اشکباری کا حکم جاری ہے
دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا	آج پھر اوسکی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہین غالب
کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

جنون تہمت کش تسکین نہو گر شادمانی کی	نمکپاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی
کشاکش ہای ہستی سے کرے کیا سعی آزادی	ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے سو وہاں آکے دم ہوئے

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
تو فسردگی نہاں ہے بکمین بے زبانی

مجھے اوس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی
کبھی کودکی میں جسنے نہ سنی مری کہانی

یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا
کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

مے نے کیا ہے حسن خود آرا کو بے حجاب
اے شوق یاں اجازت تسلیم ہوش ہے

گوہر کو عقد گردن خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست
بزم خیال میکدۂ بے خروش ہے

قطعہ

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب بنغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامان باغبان و کف گلفروش ہے

لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

ردیف الیا

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے
طاقت بیداد انتظار نہیں ہے

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو
ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

ہم سے عبث ہے گمان رنجش خاطر
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی
غیر گل آئینۂ بہار نہیں ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

ہجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

رفو ئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستان میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

پا بدامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد
خارِ پا ہیں جوہر آئینۂ زانو مجھے

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہ آشنا تیرا سرِ ہر مو مجھے

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

تب ناز گرانمایگی اشک بجا ہے
جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے

دے مجھکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھکو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اوس چشمِ فسونگر کا اگر پائے اشارا
طوطی کی طرح آئنہ گفتار میں آوے

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیِ پرخار میں آوے

حسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دلکے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

مے پرستان خم مے منہ سے لگاتے ہی بنی
ایکدن گر نہوا بزم میں ساقی نہ سہی

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلی نہ سہی

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرت صحبت خوبان ہی غنیمت سمجھو
نہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اوسکے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

پر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو
شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

دیوان غالب

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

قطعہ

خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزلسرا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے
لیکے دل دلستاں روانہ ہوا

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

[illegible]

ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

[illegible]

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر
یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے

شاہ کے ہے غسل صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
روکش سطح چرخ مینائی

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

وہ تب عشق تمنا ہے کہ پھر صورت شمع
شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر
یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے
چشم نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ
دیکھ خونابہ فشانی میری

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جانا ہے نشانی میری

متقابل ہے مقابل میرا
رک گیا دیکھ روانی میری

قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری

گرد باد رہ بیتابی ہوں
صرصر شوق ہے بانی میری

ہر قدم دوری منزل ہے نمایان مجھسے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیابان مجھسے

درس عنوان تماشا بتغافل خوشتر
ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگان مجھسے

وحشت آتش دل سے شب تنہائی مین
صورت دود رہا سایہ گریزان مجھسے

غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتان
کسقدر خانۂ آئینہ ہے ویران مجھسے

اثر آبلہ سے جادۂ صحرای جنون
صورت رشتۂ گوہر ہے چراغان مجھسے

بیخودی بستر تمہید فراغت ہوجو
پر ہے سایہ کی طرح میرا شبستان مجھسے

شوق دیدار مین گر تو مجھے گردن مارے
ہو نگہ مثل گل شمع پریشان مجھسے

[illegible]

بیکسیہای شب ہجر کی وحشت ہے ہے
سایہ خورشید قیامت مین ہے پنہان مجھسے

گردش ساغر صد جلوۂ رنگین تجھسے
آئینہ داری یک دیدۂ حیران مجھسے

نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد
ہے چراغان خس و خاشاک گلستان مجھسے

آغوش گل کشادہ برای وداع ہے	ای عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے
ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط مین	معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے

اوس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہان
شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے

چاہیے اچھون کو جتنا چاہیے	یہ اگر چاہین تو پھر کیا چاہیے
صحبت رندان سے واجب ہے حذر	جای مے اپنے کو کھینچا چاہیے
چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل	بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
چاک مت کر جیب بے ایام گل	کچھ اودھر کا بھی اشارا چاہیے
دوستی کا پردہ ہے بیگانگی	منہ چھپانا ہمسے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو	کسقدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
اپنی رسوائی مین کیا چلتی ہے سعی	یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید	ناامیدی اوسکی دیکھا چاہیے
غافل ان مہ طلعتون کیواسطے	چاہنے والا بھی اچھا چاہیے
چاہتے ہین خوبرویون کو اسد	آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

نکتہ چین ہے غم دل اوسکو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ بنے

مین بلاتا تو ہون اوسکو مگر ای جذبۂ دل
اوس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے کہین چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یون بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یون ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا	ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے	پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے	تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے	کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے	صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے
جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال	دیدۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے
ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک	آبگینہ کوہ پر عرض گرانجانی کرے
میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست	موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد
یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

وہ آ کے خواب میں تسکین اضطراب تو دے	ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے
کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا	تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

ہان کھائیو مت فریبِ ہستی	ہرچند کہین کہ ہے نہین ہے
شادی سے گزر کہ غم نہووے	اردی جو نہو تو دی نہین ہے
کیون ردِّ قدح کرے ہے زاہد	مے ہی یہ مگس کی قے نہین ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے نہین ہے

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا	کہ اوسمین ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے
بہت دنون مین تغافل نے تیرے پیدا کی	وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہین کرتے	مرتے ہین ولے اونکی تمنا نہین کرتے
در پردہ اونھین غیر سے ہے ربطِ نہانی	ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہین کرتے

یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہین کرتے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ	خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچین ہے
کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے	کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالین ہے
بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبلِ زار	کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگین ہے

اسد ہے نزع مین چل بیوفا برائے خدا
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکین ہے

کیون نہ ہو چشمِ بتان محوِ تغافل کیون نہ ہو
یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی
وائے ناکامی کہ اوس کافر کا خنجر تیز ہے

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

دیا ہے دل اگر اوسکو بشر ہے کیا کہیے
ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے

یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے بن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمین کس قدر ہے کیا کہیے

رہے ہے یون گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

ردیف الیاء

زہے کرشمہ کہ یون دے رکھا ہے ہمکو فریب
کہ بن کہے ہی انھین سب خبر ہے کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ سرِ رہگزر ہے کیا کہیے

تمھین نہین ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ مین کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے

اونھین سوال پہ زعمِ جنون ہے کیون لڑیے
ہمین جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے

حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجے
ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہیے

کہا ہے کسنے کہ غالب برا نہین لیکن
سوائے اسکے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

دیکھکر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

[illegible]

بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فسان	مرحبا مین کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے
کیون نہو بے التفاتی اوسکی خاطر جمع ہے	جانتا ہے محوِ پرسشہاے پنہانی مجھے
میرے غمخانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی	لکھدیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے
بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہوتا کاشکے	اسقدر ذوقِ نواے مرغِ بستانی مجھے
واے وان بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا	لیگیا تھا گور مین ذوقِ تن آسانی مجھے
وعدہ آنیکا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے	تمنے کیون سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے
ہان نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ	پھر ہوا ہے تازہ سوداے غزلخوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالب یوسفِ ثانی مجھے

یاد ہے شادی مین بھی ہنگامۂ یارب مجھے	سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے
ہے کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن	تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے
یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے	رشک آسایش پہ ہے زندانیون کی اب مجھے
طبع ہے مشتاقِ لذتہاے حسرت کیا کرون	آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے
دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہوگئے	عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

[illegible]

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کردامانِ خیالِ یار چھوٹا جاے ہے مجھسے

تکلف برطرف نظارگی مین بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جاے کب یہ ظلم دیکھا جاے ہے مجھسے

ہوے ہین پانون ہی پہلے نبردِ عشق مین زخمی
نہ بھاگا جاے ہے مجھسے نہ ٹھہرا جاے ہے مجھسے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جاے ہے مجھسے

زبسکہ مشقِ تماشا جنون علامت ہے
کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے

نجانون کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی
تجھے کہ آئنہ بھی ورطۂ ملامت ہے

بپیچ و تابِ ہوس سلکِ عافیت مت توڑ
نگاہِ عجز سرِ رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعواے عشق بے بنیاد
جنونِ ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے

لاغر اتنا ہون کہ گر تو بزم مین جا دے مجھے
میرا ذمہ دیکھکر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اوسکو دیکھکر آجاے رحم
وان تلک کوئی کسی حیلے سے پہونچا دے مجھے

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر باندازِ عتاب
کھولکر پردہ ذرا آنکھین ہی دکھلا دے مجھے

یان تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ مین
زلف گر بن جاؤن تو شانہ مین اولجھا دے مجھے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
کرنے گئے تھے اوس سے تغافل کا ہم گلا
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
اس رنگ سے اوٹھائی کل اوسنے اسد کی نعش
دشمن بھی جسکو دیکھکے غمناک ہو گئے

نشہ ہا شادابِ رنگ و ساز ہا مستِ طرب
شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے
ہمنشین مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست
وان تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

ردیف الہاء

عرضِ نازِ شوخیِ دندان برائے خندہ ہے
دعویِ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے
ہے عدم مین غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل
یکجہان زانو تامل در قفائے خندہ ہے
کلفتِ افسردگی کو عیشِ بیتابی حرام
ورنہ دندان در دل افشردن بنائے خندہ ہے
سوزشِ باطن کے ہین احباب منکر ورنہ یان
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

کہون جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے
تمھین کہو کہ جو تم یون کہو تو کیا کہیے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہین
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
وہ نیشتر سہی پر دل مین جب اوتر جاوے
نگاہِ ناز کو پھر کیون نہ آشنا کہیے
نہین ذریعۂ راحت جراحتِ پیکان
وہ زخمِ تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہیے
جو مدعی بنے اوسکے نہ مدعی بنیے
جو ناسزا کہے اوسکو نہ ناسزا کہیے
کہین حقیقتِ جانکاہیِ مرض لکھیے
کہین مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے
کبھی شکایتِ رنجِ گران نشین کیجے
کہین حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے
رہے نہ جان تو قاتل کو خونبہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے
نہین نگار کو الفت نہو نگار تو ہے
روانیِ روش و مستیِ ادا کہیے
نہین بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے
طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے
سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

رونے سے اور عشق مین بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی
تھے یہی دو حساب سو یون پاک ہو گئے

حسنِ بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
آئنہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے
تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن
چشمِ وا گردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے
[illegible]

[illegible]

عالم غبار وحشت مجنون ہے سر بسر	کبتک خیال طرۂ لیلا کرے کوئی
افسردگی نہیں طرب انشای التفات	ہان درد بن کے دل مین مگر جا کرے کوئی
رونے سے اے ندیم ملامت نکر مجھے	آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی
چاک جگر سے جب رہ پرسش نہ وا ہوئی	کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
لخت جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل	تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی
ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز	تو وہ نہیں کہ تجھکو تماشا کرے کوئی
ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست	نقصان نہیں جنون سے جو سودا کرے کوئی
سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر	فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
ہے وحشت طبیعت ایجاد یاس خیز	یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
بیکاری جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل	جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیون کسی کا گلا کرے کوئی

بہت سہی غم گیتی شراب کیا کم ہے
غلام ساقی کوثر ہون مجھکو غم کیا ہے
تمھارے طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
سخن مین خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقین ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمین دم کیا ہے

[illegible]

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک
آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اوٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اوٹھاتا ہے مجھے

روندی ہوئی ہے کوکبہ شہریار کی
اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہگزار کی

جب اوسکے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ
لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اوسکی گردن پر
وہ خوں جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پرپیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اوسکو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھکر قلم نکلے

ہوئی اس دور میں منسوب مجھسے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوئی جنسے توقع خستگی کی داد پانیکی
وہ ہمسے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اوسیکو دیکھکر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

مستی بذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے
موجِ شراب یک مژۂ خوابناک ہے

جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو
جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہے

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے
نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

دیوان غالب

[illegible]

[illegible]

بنمِ آغوشِ بلا مین پرورش دیتا ہی عاشق کو	چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجان ہے
خموشیون مین تماشا ادا نکلتی ہے	نگاہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے
فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم	صبا جو غنچے کے پردے مین جا نکلتی ہے
نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ	کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے
جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے	نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے
کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا	آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق	گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے
دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ	نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئنہ برگِ گل پر آب	اے عندلیب وقت وداعِ بہار ہے
پچ آ پڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے	وہ آئے یا نہ آئے پہ یان انتظار ہے
بے پردہ سوے وادیِ مجنون گزر نہ کر	ہر ذرہ کی نقاب مین دل بیقرار ہے
اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیان	طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی	اے بیدماغ آئنہ تمثال دار ہے
غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط	اے مرگِ ناگہان تجھے کیا انتظار ہے

[illegible]

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغِ دلِ بیدرد نظرگاہِ حیا ہے
دل خون شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار
آئینہ بدستِ بتِ بدمستِ حنا ہے
شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے
تمثال مین تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے
قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے
خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بیحوصلگی طرفہ بلا ہے
مجبوری و دعوائے گرفتاریِ الفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

[illegible] نہیں وہ دل ناکام بہت ہے
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے درد تہ جام بہت ہے
نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے
ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں
پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے
زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے
ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

معلوم ہوا حال شہیدان گذشتہ
تیغ ستم آئینہ تصویر نما ہے

اے پرتو خورشید جہانتاب ادھر بھی
سایہ کی طرح ہمپہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

اک خونچکاں کفن میں کروروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی

لڑتا ہے مجھسے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو واں نہیں پہ وانکے نکالے ہوے تو ہیں
کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے کہ سبکو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اسقدر
کی جس سے بات اسنے شکایت ضرور کی

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لیچلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

دیوان غالب

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے
کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کیے ہوئے
پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
پھر گرم نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کیے ہوئے
پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخون دل
ساز چمن طرازیٔ داماں کیے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرض متاع عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذر دلفریبیٔ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کے لیے
رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لیے

قصائد

ساز یک ذرہ نہیں فیض چمن سے بیکار	سایۂ لالۂ بیداغ سویداے بہار
مستیِ بادِ صبا سے ہے بعرضِ سبزہ	ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار
سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ	تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روے شرار
مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت	کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل	راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار
سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم	سرنوشتِ دو جہان ابر بیک سطرِ غبار
کاٹ کر پھینکیے ناخن تو باندازِ ہلال	قوتِ نامیہ اوسکو بھی نچھوڑے بیکار
کفِ ہر خاک بگردون شدہ قمری پرواز	دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار
میکدہ میں ہو اگر آرزوے گلچینی	بھول جا یک قدحِ بادہ بطاقِ گلزار
موجِ گل ڈھونڈھ بخلوتکدۂ غنچۂ باغ	گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار
کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر	سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار
لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ	طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار
وہ شہنشاہ کہ جسکی پئے تعمیرِ سرا	چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

[illegible]

دشمنِ آلِ نبی کو بطرب خانۂ دہر
عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیوار

دیدہ تا دل اسدؔ آئینۂ یک پرتوِ شوق
فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

قصیدہ

دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبین

بیدلیہاے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسیہاے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دین

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بمِ ہستی و عدم
لغو ہے آئنۂ فرقِ جنون و تمکین

نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت
سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسین

لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین

مثلِ مضمونِ وفا باد بدستِ تسلیم
صورتِ نقشِ قدم خاک بفرقِ تمکین

عشق بیربطیِ شیرازۂ اجزاے حواس
وصل زنگارِ رخِ آئنۂ حسنِ یقین

کوہکن گرسنہ مزدورِ طربگاہِ رقیب
بیستون آئنۂ خوابِ گرانِ شیرین

کسنے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز
کسنے پایا اثرِ نالۂ دلہاے حزین

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہان ہون لیکن
نہ سر و برگِ ستائش نہ دماغِ نفرین

کسقدر ہرزہ سرا ہون کہ عیاذاً باللہ
یکقلم خارجِ آدابِ وقار و تمکین

[illegible]

کس سے ہو سکتی ہے مداحیِ ممدوحِ خدا	کس سے ہو سکتی ہے آرایشِ فردوسِ بریں
جنس بازارِ معاصی اسد اللہ اسد	کہ سوا تیرے کوئی اوسکا خریدار نہیں
شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب	ہے ترے حوصلۂ فضل پر ازبسکہ یقیں
دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول	کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں
غمِ شبیر سے ہو سینہ یہانتک لبریز	کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں
طبع کو الفتِ دُلدُل میں یہ سرگرمیِ شوق	کہ جہاں تک چلے اوس سے قدم اور مجھ سے جبیں
دل الفت نسب و سینۂ توحید فضا	نگہِ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزیں
صرفِ اعدا اثرِ شعلۂ دودِ دوزخ	وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوسِ بریں

قصیدہ

ہاں مہِ نو سنیں ہم اوسکا نام	جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح	یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب	بندہ عاجز ہے گردشِ ایام
اوڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا	آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص	حبذا اے نشاطِ عامِ عوام

عذر میں تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اوس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام
راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمام
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
ایک ہی ہے امیدگاہِ انام
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اوس کا مگر نہیں ہے غلام
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بطرزِ استفہام
مہرِ تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ
قربِ ہر روزہ بر سبیلِ دوام
تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا
جز بتقریبِ عیدِ ماہِ صیام
جانتا ہوں کہ اوس کے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام
ماہ بن ماہتاب بن میں کون
مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص
گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام

جبکہ چودہ منازلِ فلکی — کرچکی قطع تیری تیزیِ گام
تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر — کوےِ مشکوےِ صحن ومنظر وبام
دیکھنا میرے ہاتھ مین لبریز — اپنی صورت کا اک بلورین جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا — توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام — تجھکو کسنے کہا کہ ہو بدنام
مے ہی پھر کیون نہ مین پیے جاؤن — غم سے جب ہوگئی ہو زیست حرام
بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے — کہ نہ سمجھین وہ لذتِ دشنام
کعبہ مین جا بجائینگے ناقوس — اب تو باندھا ہے دیر مین احرام
اوس قدح کا ہے دور مجھکو نقد — چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ وام
بوسہ دینے مین اونکو ہے انکار — دل کے لینے مین جنکو تھا ابرام

چھیڑتا ہون کہ اونکو غصہ آے
کیون رکھون ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا مین تو سب کچھ اب تو کہہ — اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام

صبحدم دروازۂ خاور کھلا / مہر عالمتاب کا منظر کھلا

خسرو انجم کے آیا صرف مین / شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود / صبح کو راز مہ و اختر کھلا

ہین کواکب کچھ نظر آتے ہین کچھ / دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا

سطح گردون پر پڑا تھا رات کو / موتیون کا ہر طرف زیور کھلا

صبح آیا جانب مشرق نظر / اک نگار آتشین رخ سر کھلا

تھی نظر بندی کیا جب رد سحر / بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا

لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے / رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا

بزم سلطانی ہوئی آراستہ / کعبۂ امن و امان کا در کھلا

تاج زرین مہر تابان سے سوا / خسرو آفاق کے منہ پر کھلا

تیرے فیلِ گران جسد کی صدا / تیرے رخشِ سبک عنان کا خرام

فنِ صورت گری مین تیر اگر / گر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام

اوسکے مضروب کے سر و تن سے / کیون نمایان ہو صورتِ ادغام

جب ازل مین رقم پذیر ہوے / صفحہ ہاے لیالی و ایام

اور اون اوراق مین بہ کلکِ قضا / مجملاً مندرج ہوے احکام

لکھدیا شاہدون کو عاشق کش / لکھدیا عاشقون کو دشمن کام

آسمان کو کہا گیا کہ کہین / گنبدِ تیز گرد نیلی فام

حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھین / خال کو دانہ اور زلف کو دام

آتش و آب و باد و خاک نے لی / وضع سوز و نم و رم و آرام

مہرِ رخشان کا نام خسرو روز / ماہِ تابان کا اسم شحنۂ شام

تیری توقیع سلطنت کو بھی / دی بدستور صورتِ ارقام

کاتبِ حکم نے بموجب حکم / اوس رقم کو دیا طرازِ دوام

ہے ازل سے روائیِ آغاز / ہو ابد تک رسائیِ انجام

قصیدہ

روشناسوں کی جہاں فہرست ہے — واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا
توسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب — تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا
نقشِ پا کی صورتیں وہ دلفریب — تو کہے بتخانۂ آذر کھلا
مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے — منصبِ مہر و مہ و محور کھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک — میری حدِ وسع سے باہر کھلا
تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید — کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا
باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار — مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا
ہو جہاں گرمِ غزل خوانی نفس — لوگ جانیں طبلۂ عنبر کھلا

غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا — کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا
ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے — یار کا دروازہ پاویں گر کھلا
ہمکو ہے اس رازداری پر گھمنڈ — دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ — زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان — کب کمر سے غمزہ کے خنجر کھلا
مفت کس کو برا ہے بدرقہ — رہروی میں پردۂ رہبر کھلا
سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک — آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا
نامے کے ساتھ آ گیا پیغامِ مرگ — رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا
دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی — ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال — پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
خامے نے پائی طبیعت سے مدد — بادباں بھی اٹھتے ہی لنگر کھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ — یاں عرض سے رتبۂ جوہر کھلا
مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا — بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا
بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب — اب علوِ پایۂ منبر کھلا
سکۂ شہ کا ہوا ہے روشناس — اب عیارِ آبروئے زر کھلا
شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ — اب مآلِ سعیِ اسکندر کھلا
ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے — اب فریبِ طغرل و سنجر کھلا
ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے — دفترِ مدحِ جہاں داور کھلا
فکر اچھی پر ستائش نا تمام — عجزِ اعجازِ ستائش گر کھلا

جانتا ہون ہے خطِ لوحِ ازل	تم پہ اے خاقانِ نام آور کھلا
تم کرو صاحب قرانی جب تلک	ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

در صفت انبہ

ہان دلِ دردمند زمزمہ ساز — کیون نہ کھولے درِ خزینۂ راز

خامہ کا صفحہ پر روان ہونا — شاخِ گل کا ہے گلفشان ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے — نکتہ ہاے خرد فزا لکھیے

بارے آمون کا کچھ بیان ہوجاے — خامہ نخلِ رطب فشان ہوجاے

آم کا کون مردِ میدان ہے — ثمر و شاخ گوے و چوگان ہے

تاک کے جی مین کیون رہے ارمان — آئے یہ گوے اور یہ میدان

آم کے آگے پیش جاوے خاک — پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور — بادۂ ناب بن گیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے — شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو تمھین خبر کیا ہے — آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گل اوس مین نہ شاخ و برگ نہ بار — جب خزان آئے تب ہو اوس کی بہار

[illegible]

خاص وہ آم جو نہ ارزان ہو — نو بر نخل باغ سلطان ہو

وہ کہ ہے والی ولایت عہد — عدل سے اوسکے ہے حمایت عہد

فخر دین عز شان و جاہ و جلال — زینت طینت و جمال و کمال

کار فرمائے دین و دولت و بخت — چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

سایہ اوسکا ہما کا سایہ ہے — خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اے مفیض وجود سایہ و نور — جب تلک ہے نمود سایہ و نور

اس خداوند بندہ پرور کو — وارث گنج و تخت و افسر کو

شاد و دلشاد و شادمان رکھیو
اور **غالب** پہ مہربان رکھیو

قطعات

اے شہنشاہ فلک منظر بے مثل و نظیر — اے جہاندار کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

پاؤں سے تیرے ملے فرق ارادت اورنگ — فرق سے تیری کرے کسب سعادت اکلیل

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام — تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قرب کلیم — تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذل خلیل

[illegible]

ایضاً

[illegible]

گئی وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری	کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہمنشین	اک تیر میرے سینہ مین مارا کہ ہای ہای
وہ سبزہ زار ہای مطرا کہ ہے غضب	وہ نازنین بتان خود آرا کہ ہای ہای
صبر آزما وہ انکی نگاہین کہ حف نظر	طاقت ربا وہ انکا اشارا کہ ہای ہای

وہ میوہ ہاے تازہ و شیرین کہ واہ واہ
وہ بادہ ہاے ناب گوارا کہ ہای ہای

در مدح ڈلی

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی	زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے	ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے
مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے	حرز بازوے شگرفان خود آرا کہیے
مسی آلودہ سر انگشت حسینان لکھیے	داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے
خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے	سر پستان پریزاد سے مانا کہیے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں	مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال	یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر	سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا	جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہ امتثال امر	دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات	مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ	سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں	ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا	باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر سہرا
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے	ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا
سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ	مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ملتا ہے اگر اسکو خضر سکندر [illegible] / [illegible] چشمۂ حیوان کی طہارت

آصف کو سلیمان کی وزارت سے شرف تھا / ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت

ہے نقش مریدی ترا فرمان الٰہی / ہے داغ غلامی ترا توقیع امارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقت سیلان / تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت

ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا مین روانی / باقی نہ رہے آتش سوزان مین حرارت

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی مین توغل / ہے گرچہ مجھے سحر طرازی مین مہارت

کیونکر نہ کرون مدح کو مین ختم دعا پر / قاصر ہے ستایش مین تری میری عبارت

ہاتھ مین تیری رہے توسن دولت کی عنان / یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا / گو شرف خضر کی بھی مجھکو ملاقات سے ہے

اسپہ گذرے نہ گمان ریو و ریا کا زنہار / غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

متفرقات

ہے چارشنبہ آخر ماہ صفر چلو / رکھدین چمن مین بھرکے مئے مشکبو کی ناند

جو آئے جام بھرکے پیے اور ہوکے مست / سبزے کو روندتا پھرے پھولون کو جائے پھاند

غالب یہ کیا بیان ہے بجز مدح بادشاہ / بھاتی نہین ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

بٹتے ہین سونے روپے کے چھلے حضور مین / ہے جنکے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند

یون سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوے / لاکھون ہی آفتاب ہین اور بیشمار چاند

در مدح شاہ

اے شاہ جہانگیر جہان بخش جہاندار / ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو / تو وا کرے اوس عقدے کو سو بھی باشارت

[illegible]

تونے مجھکو جو آبرو بخشی ہوئی میری وہ گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھسا ذرّہ ناچیز روشناسِ ثوابت و سیّار
گرچہ از روے ننگ بے ہنری ہون خود اپنی نظر مین اتنا خوار
کہ گراپنے کو مین کہون خاکی جانتا ہون کہ آئے خاک کو عار
شاد ہون لیکن اپنے جی مین کہ ہون بادشہ کا غلام کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مدح تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہوگیا صد شکر نسبتین ہوگئین مشخص چار
نہ کہون آپ سے تو کس سے کہون مدعاے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھکو نہین ذوق آرائشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے مین چاہیے آخر تا نہ دے باد زمہریر آزار
کیون نہ درکار ہو مجھے پوشش جسم رکھتا ہون ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہین ہے اب کی سال کچھ بنایا نہین ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ بھاڑ مین جائین ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہان تلک انسان دھوپ کھاوے کہان تلک جاندار

قطعات

سیہ گلیم ہون لازم ہے میرا نام نہ لے	جہان مین جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے	کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

قطعہ ۲

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی	مجھپہ کیا گزریگی اتنے روز حاضر ہوے
تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد	تین مسہل تین تبریدین یہ سب کتنے دن ہوے

قطعہ تاریخ ۳

خجستہ انجمن طوی میرزا جعفر	کہ جسکے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال مین غالب	نہ کیون ہو مادۂ سال عیسوی محظوظ

۱۸۵۴ء

قطعہ تاریخ دیگر ۴

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی	ہوا بزم طرب مین رقص ناہید
کہا غالب سے تاریخ اسکی کیا ہے	تو بولا انشراح جشن جمشید

۱۸۵۴ء

قطعہ ۵

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہین	دربار دار لوگ بہم آشنا نہین

کانون پہ ہاتھ دھرتے ہین کرتے ہوے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہین

رباعیات

بعد از اتمام بزم عید اطفال
ایام جوانی رہے ساغر کش حال
آپہنچے ہین تا سواد اقلیم عدم
اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال

ایضاً

شب زلف و رخ عرق فشان کا غم تھا
کیا شرح کرون کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا مین ہزار آنکھ سے صبح تلک
ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

ایضاً

ایضاً

دل سخت تر تنزہو گیا ہے گویا
اوس سے گلہ مند گیا ہے گویا

پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہین
غالب منھ بند ہو گیا ہے گویا

ایضاً

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رک رک کر بند ہو گیا غالب

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہین
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

ایضاً

شکل ہے زبس کلام میرا ایدل
سن سنکے اوسے سخنوران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہین فرمائش
گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

ایضاً

بھیجی ہے جو مجکو شاہ جم جاہ نے دال
ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال

یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

ایضاً

ہین شہ مین صفات ذوالجلالی باہم
آثار جلالی و جمالی باہم

ان ہیم کے بیجون کو کوئی کیا جانے	بھیجے ہین جو ارمغان شہ والا نے
گن کر دیوینگے ہم دعائین سو بار	فیروزہ کی تسبیح کے ہین یہ دانے

تقریظ

٨٥٢٠٦٦

شام شمیم آشنایان را صلا و تماشا و انجمن نشینان را مژدہ که لختے از سامان بهره گردانی آماده و دامنی از عود هندی دست بهم داده است نه چوبهاے سنگ شکسته و پے خورده بهنجار نا طبیعی شکسته بے اندام تراشیده بلکه به تیر شگافته بکار و ریزه ریزه کرده بسوهان تراشیده ایدون نفس گدازنگی شوق بجستجوے آتش پارسی ست نه آتشی که در گلخنهاے هند افسرده خاموش واز کف خاکستر بهرگ خودش سیه پوشی تهی چه برد می مسلم ست از ناپاکی باستخوان مرده ناهار شکستن و از دیوانگی برشتهٔ شمع مزار کشته آمیخته هر آئینه بدل گداختن نیرزد و بزم آفروختن را نشاید سخ آتش بے صنع برافروزنده و آتش پرست را بباد افراه هم در آتش سوزنده نیک میداند که پژوهنده در هواے آن رخشنده آذر لعل ور آتش ست که بچشم روشنی هوشنگ از سنگ برون تافته و در ایوان لهراسپ تشیعے و نما یافته نفس را